حافظ عبدالسلام کی "تفسیر القرآن الکریم" میں لغوی منہج کا مطالعہ

A Study of the Lexical Methodology in Hafiz Abdul Salam's " *Tafsir-ul-Quran al-Kareem*"

Muhammad Irfan
Doctoral Candidate Islamic Studies, University of Gujrat, Gujrat
Talib Ali Awan
Doctoral Candidate Islamic Studies, University of Gujrat, Gujrat
Shams ul Arfeen
Department of Islamic Studies, Riphah International University Faislabad

Abstract

Translations of the Quran have been written in different languages, but Urdu language is fortunate that most of the translations and commentaries were written in this language. Among these Urdu commentaries a notable commentary is "*Tafsir-ul-Quran al-Kareem*" written by Hafiz Abdul Salam Ibn Muhammad. This article studies the Lexical Methodology in the mentioned tafsir.

Key Words: Quran, Tafsir, Lexical Methodology, Hafiz Abdul Salam, "*Tafsir-ul-Quran al-Kareem*"

ویسے تو قرآن مجید کے مختلف زبانوں میں ترجمے لکھے جاچکے ہیں لکھے جارہے ہیں لیکن اردوزبان کو یہ سعادت حاصل ہے کہ سب سے زیادہ تراجم اور تفاسیر اردوزبان میں لکھی گئی اس لیے ہمارے پاک وہند میں بہت سے تراجم لکھے گئے گئے مگر ان تمام تراجم کے باوجود ایک ایسے کام کی گنجائش باقی تھی جو جو جس میں کوئی لفظ بھی زائد نہ کیا جائے بعض تراجم میں تراجم بامحاورہ اور چند لفظی ہیں ان میں کچھ ایک الفاظ رہ جاتے ہیں جن کا ترجمہ نہیں کیا جاتا تو ایسے ترجمہ ضرورت کو پورا کرنے کے لئے حافظ عبدالسلام بن محمد حفظہ اللہ نے ترجمہ کیا پھر اس کی تفصیل لکھی ترجمے کی کمی پوری کرنے کے لیے جس میں کسی لفظ کا ترجمہ نہ چھوڑا گیا ہوں اس سے زائد ترجمہ میں داخل نہ کیا گیا ہو تو اس میں حافظ عبدالسلام بن محمد اہتمام کیا ہے۔ [1] یہ تفسیر بہت سی خوبیاں کی حامل ہے۔ جن کا تذکرہ ذیل میں بالترتیب کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کتاب ہدایت ونجات ہے۔ اس کا مقصد لوگوں کے عقائد واعمال کی اصلاح اور ان کا تزکیہ کرنا ہے۔ پوری تفسیر میں اس مقصد کو سامنے رکھا گیا ہے اور بے جا طویل ابحاث سے اجتناب کیا گیا ہے

جن سے موضوع نظروں سے اوجھل ہو۔ قرآنی آیات کا مفہوم واضح بیان کرنے کے لیے دیگر قرآنی نصوص اور احادیث نبویہ سے بھی بھرپور مدد لی گئی ہے گویا بھٹوی صاحب کی یہ تفسیر، تفسیر بالماثور کی ایک کامیاب کوشش اور اس کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ سورتوں اور آیات اور سورتوں کے باہمی ربط پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ اس نکتہ پر زیادہ توجہ کرنے والے مفسرین نے تکلف سے کام لیا ہے۔ جس جگہ تکلف کے بغیر ربط سمجھ میں آتا ہے، اس کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ بقدر ضرورت ترجمہ کرتے ہوئے کئی ایک مقامات پہ علمی باریکیوں اور نکات کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ ویسے ترجمہ سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ محترم بھٹوی صاحب کا لکھا ہوا عرضِ مترجم کو اچھی طرح غور سے پڑھ لیا جائے۔ محترم حافظ صاحب نے اختصار کے پیش نظر ایک ہی جگہ مضمون کے متعلقہ دیگر قرآنی آیات کا حوالہ دے دیتے ہیں۔ جس سے مزید تفصیل کا طالب بھرپور فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ قرآن مجید کی مدنی بہت سی سورتوں میں فقہ الجہاد کا ذکر ہے اور امام الانبیاء والمرسلین کے غزوات: بدر، احد، احزاب، خیبر، فتح مکہ، حنین اور تبوک کے تذکرے اور ان پر تبصرے ہیں۔ زیر نظر تفسیر میں ان مضامین کو خوب اُجاگر کیا گیا ہے۔ لیکن طے شدہ منہج کے مطابق اکثر وبیشتر مقامات پر اختصار و جامعیت کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ شاہ عبد القادرؒ کے کچھ مختصر تفسیری فوائد کہیں کہیں ہو بہو الفاظ میں نقل کیے گئے ہیں۔ ان کی زبان اگرچہ قدیم ہے اور بعض مقامات پر ان کی قدامت کا کافی احساس ہوتا ہے لیکن دلچسپی سے پڑھنے والا بہر حال اس سے محظوظ ہو گا۔ حافظ صاحب دیگر تفاسیر سے بھی باحوالہ اقتباس نقل کرتے ہیں۔ جو موقع و محل کے لحاظ سے نہایت موزوں ہوتے ہیں۔ یہ ان کے حسن انتخاب کی علامت ہیں۔ اور خادمین قرآن کی خدمت کا اعتراف بھی۔ تفسیر میں صحیح اور حسن احادیث لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ان کے حوالے مختصر انداز میں اور مکمل دیئے گئے ہیں۔ جس میں کتاب اور صحابی کا نام، باب اور حدیث نمبر کی وضاحت ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اصل کتاب کی طرف رجوع کرنا نہایت آسان ہے۔ بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر کتب حدیث سے حدیث نقل کرتے ہوئے اس کی تحقیق بھی پیش کی گئی ہے۔ مگر مفصل تحقیق و تخریج سے قصداً گریز کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں حدیث نقل کرتے ہوئے ان کا عربی متن اعراب و حرکات سمیت بھی درج کیا گیا ہے، جس سے حدیث پڑھنے کا شوق بھی پیدا ہو گا اور باذوق قارئین کے لیے یہ تسکین قلب کا باعث بھی۔ چیدہ چیدہ مقامات پر عربی الفاظ کی لغوی اور صرفی تشریح بھی ہے اور جملوں کی نحوی تحلیل بھی۔ عربی زبان و بیان سے دلچسپی رکھنے والے اس سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ ان شاء اللہ

اُستادِ محترم کو اُردو، عربی اور فارسی زبان و ادب پر عبور حاصل ہے اور وہ اپنی تقریر و تحریر میں اُن کے اشعار بر محل پیش کرنے پر استحضار رکھتے ہیں۔ تفسیر میں اُنہوں نے اپنی اس صلاحیت سے بھی کہیں کہیں فائدہ اُٹھایا ہے اور عام قارئین کے لیے عربی و فارسی اشعار کا ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ لیکن مقصدیت کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا۔ منہج سلف کے مطابق اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی تشریح اور اس سے انحراف کرنے والوں کی تردید کی گئی ہے۔ ایسے مقامات توجہ کے ساتھ پڑھنے سے اللہ خالق و مالک سے تعلق مضبوط اور اس کی محبت میں اضافے کا سبب ہو گا۔ ان شاء اللہ آیات کے آخری جملوں مثلاً اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ، اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ، أَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ میں ذکر کردہ صفاتِ الٰہی کی سیاق کی مناسبت سے توضیح کی گئی ہے۔ اس کی ایک مثال پر غور فرمائیں۔ واللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ یہ جملہ سورہ حدید آیت: 10 میں آیا ہے تو حافظ صاحب فرماتے ہیں: ایمان،

نفاق اور قتال فی سبیل اللہ کی ترغیب کے آخر میں فرمایا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے، وہ ہر ایک کے عمل کو خوب جانتا ہے کہ کس درجے کا ہے اور اس میں کتنا اخلاص ہے اور وہ اس کے مطابق ہی اسے جزا دے گا۔ یہی جملہ سورہ مجادلہ آیت: 3 میں ذکر ہوا تو لکھتے ہیں: یعنی اگر تم ظہار کے بعد گردن آزاد کیے بغیر ایک دوسرے کو ہاتھ لگاؤ گے تو اور کسی کو خبر ہو یا نہ ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام سے پوری طرح باخبر ہے۔ تم نہ اس سے چھپ سکتے ہو اور نہ اس کی گرفت سے بچ سکتے ہو۔ سورۃ مجادلہ آیت: 11 میں اسی عبارت کے تحت استادِ گرامی رقمطراز ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے کہ تم اٹھنے کا حکم ملنے پر خوش دلی سے اُٹھ کھڑے ہوتے ہو یا نفاق اور کبر کی وجہ سے مجبوراً اُٹھتے ہو اور وہ تمہیں تمہارے عمل کے مطابق ہی جزا دے گا۔ یہی الفاظ سورۃ توبہ آیت: 16 میں ایمانداروں کے علاوہ کسی کو رازدار نہ بنانے کے سیاق میں آئے تو اس طرح وضاحت فرمائی۔ ”وہ ظاہری اعمال کے ساتھ دل کا حال بھی جانتا ہے۔ اس لیے اپنے اعمال درست کرو اور ان کے ساتھ نیت خالص اللہ کی رضا رکھو“ بہر حال اللہ تعالیٰ کے اسماء پر مشتمل آیات کے آخری جملے بہت قابلِ توجہ ہیں۔ اگرچہ ہر ہر جگہ ان کی وضاحت نہیں کی لیکن اس انداز میں غور کرنے کے لیے بنیادی رہنمائی ضرور مہیا ہو گئی ہے۔

کچھ صوفیاء نے دین کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو منہجِ سلف سے دور کیا اور خود بھی حیلوں بہانوں سے دین سے جان چھڑائی ہے۔ بہت سے لوگ اُن کے دام فریب میں آ کر گمراہ ہوئے ہیں۔ حافظ صاحب نے اُن کی خوب خبر لی اور اُن کے نظریات کی تردید کی ہے۔ پاکستانی معاشرے میں پائے جانے والے رسوم و رواج، شرک و بدعت اور دیگر برائیوں کی تردید فوائد میں جا بجا موجود ہے۔ کچھ لوگوں نے حدود اللہ کو معطل کرنے کے بہت سے حیلے تراشے ہیں بلکہ وہ جرائم پیشہ لوگوں کے سزاؤں سے بچنے کے چور دروازے ہیں۔ بعض اہلِ علم کو اس قسم کے امور کی تردید نام لیے بغیر کرنے سے پورا مزا نہیں آتا۔ لیکن استاد گرامی نے نبوی منہج کے مطابق ان امور پر نقد کیا ہے لیکن پوری تفسیر میں غالباً کسی کا نام ذکر نہیں کیا۔ جیسے ڈاکٹر اور حکیم کا مقصد مرض کی اصلاح ہوتا ہے نہ کہ مریض سے نفرت۔ نمونہ کے طور پر چند مقامات کا مطالعہ فرمائیں: أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ[2] يَضَعُ عَنهُمْاِصرَهُم [3]اِذ يَعدُونَ فِى السبتِ[4]وَاتبَعُوا الشَهَوَاتِ[5]كَتَبنَا عَلَيهِماَنَاالنفسَ بِالنفسِ[6]

المختصر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُستادِ محترم نے محنت شاقہ، جہدِ مسلسل اور عرق ریزی سے یہ تفسیر مرتب فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں اسے حسنِ قبول سے نوازے، تمام مسلمانوں کے لیے رُشد و ہدایت کا باعث بنائے بہر حال یہ تفسیر ہر خاص و عام کے لیے مفید، ہر گھر اور لائبریری کی زینت اور ہر طالب علم، مدرس، خطیب، داعی اور مجاہد کی ضرورت ہے۔ اللہ رحمٰن و رحیم ہمیں اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔[7]

مبالغہ کے صیغے کا ترجمہ

عربی زبان میں میں کئی الفاظ مبالغے کے لیے بنائے گئے ہیں مثلاً قادر اور قدیر کے معنی میں فرق ہے مگر اکثر تراجم میں قدیر کا معنیٰ قادر یا قدرت و علم رکھنے والا کیا گیا ہے اور علیم کا معنی جاننے والا یا واقف کیا گیا ہے جبکہ قدیر کا معنی پوری طرح قادر یا خوب

قدرت رکھنے والا اور علیم کا معنی خوب جاننے والا یہ پوری طرح واقف کرنا چاہیے۔ بعض علماء نے مبالغہ کے صیغے کا ترجمہ کرتے ہوئے خیال رکھا ہے لیکن زیادہ تر مترجمین نے خیال نہیں رکھا۔ اس تفسیر میں مبالغہ کے صیغے کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔[8]

حروف تاکید کا ترجمہ

اس تفسیر میں میں جو حروف تاکید کے لئے آتے ہیں ان کے ترجمے کا خصوصی لحاظ رکھا گیا ہے۔ ایک ہی جملے میں تاکید کے لئے کی حروف لائے جاتے ہیں اور محاورے میں عموما ایسا نہیں ہوتا اس لیے بعض ترجمہ کرنے والوں نے اردو محاورے کو پہلے رکھا ہے اور تاکید کے حروف کا ترجمہ نہیں کیا ایک جملہ کا ترجمہ کرکے باقی چھوڑ دیا ہے۔ اس تفسیر میں حروف تاکید کا خیال رکھا کر ترجمہ کیا گیا ہے[9]

نون تنوین کا ترجمہ

عربی میں تنوین بہت سے معنی کے لئے آتی ہے مثال کے طور پر تنوین کو تنوین تمکین تنوین تعظیم تنوین تحقیر تو یہ تنوین کی اقسام ہے اس میں کی گئی ہے جن کا اس تفسیر میں اہتمام کیا گیا ہے۔ تو ان آیات میں ان کا بھی ترجمہ کیا گیا ہے اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تنوین کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔

مفعول مطلق کا ترجمہ

عربی زبان میں تاکید کے لئے فعل کے بعد مفعول آتا ہے اگر اسی مادہ سے مفعول آجائے تو وہ مفعول مطلق ہوتا ہے مفعول مطلق تاکید کے لیے آتا ہے۔ عام طور پر اس کا ترجمہ محاورے کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے اس کے ترجمے کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔[10]

اِذا ما کا استعمال اذاما کا ترجمہ

عمومی طور پر ترجمہ کرنے والے چند الفاظ کو زائد کہہ کر ترجمہ نہیں کیا کرتے حالانکہ کوئی بھی انسان سمجھدار بلا مقصد کوئی لفظ نہیں بولتا تو اس تفسیر میں اما کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔[11]

تفسیر القرآن الکریم کا لغوی منہج

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے تفسیر القرآن الکریم کے تعارف میں کہ تفسیر القرآن الکریم میں لغوی منہج کا کیسے خیال رکھا گیا ہے ذیل میں چند نمونے 30 سپارے سے ہم ذکر کرتے ہیں، جدھر حافظ عبد السلام بن محمد بھٹوی نے لغوی منہج اپنا کر لغوی تشریح کی ہے۔

سورہ النباء کی تفسیر میں لغوی منہج

حافظ عبد السلام بن محمد بھٹوی نے لغوی منہج اپنا کر لغوی تشریح کی ہے۔ سورہ النباء کی تفسیر میں لغوی منہج کرتے ہوئے فرماتے ہیں: كَلَّا سَيَعْلَمُونَ :، کلا، کا لفظ عربی میں عموماً اپنے سے پہلے والے کلام کو غلط اور بعد والے کلام کو صحیح قرار دینے کیلئے آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے متعلق اختلاف ڈالنا، انکار کرنا یا شک کرنا بالکل غلط ہے اور اس کا آنا بالکل یقینی ہے۔[12] اس مقام پر مفسر نے لغوی منہج کے مطابق کلا کا مفہوم بیان کیا ہے کہ کلا کا معنی پہلے والے کلام کی تردید ہوتی ہے۔

وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا : اور زمین کا توازن قائم رکھنے اور اسے مسلسل زلزلے کی کیفیت سے بچانے کے لئے اس میں پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔ اوتاداً، وتد کی جمع ہے جس کا معنی ہے، میخیں۔[13] اس آیت میں پہاڑوں کے فوائد ذکر کیے گئے ہیں۔ اگر زمین ہلتی رہتی تو میں انسانی زندگی کا قیام مشکل تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمین میں پہاڑ گھاڑ دیئے ہیں تا کہ وہ حرکت نہ کر سکے اور توازن بر قرار رہے۔ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا : خود اپنے آپ کو دیکھ لو، ہم نے تمہیں نر اور مادہ پیدا کیا، مختلف رنگوں، بیشمار شکلوں اور صورتوں میں پیدا کیا۔ پہلی دفعہ پیدا کرنے پر تمہاری عقل کو تعجب نہیں ہوا تو دوبارہ پیدا کرنے پر کیوں ہوتا ہے ؟، ازواجاً، زوج، کی جمع ہے۔[14] اس مقام پر مفسر نے لغوی مفہوم کے مطابق تفسیر بیان کی ہے، اور بیان کیا ہے کہ ازواج سے مراد جوڑے ہیں۔ وخلق لکم ازواجا: اللہ تعالیٰ نے انسان کو نر اور مادہ کی صورت میں پیدا کیا ہے تا کہ اس سے نسلِ انسانی آگے بڑھ سکے۔ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ، سباتاً، اور، سبت، باب، نصر، اور، ضرب، سے مصدر ہیں، راحت و سکون۔[15] سباتا کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس سے مراد سکون ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نیند کو عظیم نعمت قرار دیا ہے۔ نیند سے انسان کی تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور راحت حاصل ہوتی ہے۔ انسان جب سوتا ہے تو جسم کو سکون ملتا ہے انسان کی طبیعت تازہ ہو جاتی ہے اور انسان کام کے لیے توانا ہو جاتا ہے نیند اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا :، وہاجاً :، وھاجاً، وھج، سے مبالغہ ہے جس میں حرارت اور روشنی دونوں جمع ہوتی ہیں، بہت روشن اور گرم چراغ۔ مراد سورج ہے۔ ایسا دہکتا ہوا چراغ کہ کروڑوں میل دور ہونے کے باوجود اگر کوئی شخص اسے تھوڑی دیر مسلسل دیکھنے کی حماقت کر بیٹھے تو نظر ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے[16]۔ اس آیت میں مفسر نے لغوی منہج اختیار کرتے ہوئے تفسیر کی ہے۔ سورج کو روشن چراغ قرار دیا ہے جس سے روشنی اور حرارت حاصل ہوتی ہے۔ روشنی اور حرارت انسانی زندگی کے لیے بہت ضروری ہے اور اس سے فصلیں پکتیں ہیں۔ اس کے بغیر انسانی زندگی ممکن نہیں ہے۔ وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا :، المعصرت، وہ بادل جو پانی سے بھرے ہوئے ہوں۔ ثج، شدت اور کثرت سے بہنا یا بہانا۔ یہ لازم و متعدی دونوں معنوں میں آتا ہے۔ ثجاجاً، کثرت سے برسنے والا۔ الفافاً، ابوبعیدہ نے فرمایا: یہ، لفیف، کی جمع ہے جیسا کہ، شریف کی جمع، اشراف، ہے۔، المراغی اس کا معنی ہے گھنے، ایک دوسرے سے لپٹے ہئے، جن میں کوئی فاصلہ نہیں[17]۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی ذکر کی ہے کہ بادل اتنے ٹن پانی کو اپنے اندر اٹھائے ہوئے ہوتے ہین اور ہوا ان بادلوں کو لے کر اللہ کے حکم سے چلتی ہے۔ جہاں اللہ کا حکم ہوتا ہے، بادل اس جگہ بارش برساتے ہیں جس سے زمین میں نباتات اگتی ہیں جس سے انسان اور جانور فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا :، سراباً، جو دوپہر کے وقت دور سے دیکھنے والے کو پانی کی طرح نظر آتا ہے مگر حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا، اسی طرح پہاڑ ریت بن جائیں گے جو دور سے پانی کی طرح نظر آتی ہے مگر حقیقت میں ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا[18]۔ اس آیت میں قیامت کی ہولناکی بیان کی گئی ہے۔ قیامت کا دن اتنا سخت ہو گا کہ اس دن پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ اتنے بلند و بالا پہاڑ جن کو کوئی ہلا نہیں سکتا، اس دن اللہ کے حکم سے سراب ہو جائیں گے۔ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا : یہاں سے جہنم اور اہل جہنم کا کچھ حال بیان ہوتا ہے۔ ، مرصاداً، گھات اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کسی دشمن یا شکار پر قابو پانے کے لئے تاک لگائی جاتی ہے، تاکہ وہ بے خبری میں آکر پھنس جائے۔[19] مرصادا کا معنی بیان کیا

جارہا ہے کہ مرصاد کا معنی دشمن کو نقصان پہنچانے کے لیے دشمن سے چھپ کر گھات لگانا۔ اس آیت میں جہنم کا بیان ہوتا ہے کہ جہنم جہنمیوں کے لیے گھات لگائے ہوئے ہے اور اللہ جہنم کا ذکر کرکے ل لوگوں کو ڈراتے ہیں کہ برے کاموں سے باز آجاؤ۔ اس جگہ مفسر نے لغوی منہج اختیار کیا ہے۔ لَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا :،احقاباً، ،احقاباً، ،حقب، حاء کے مضمہ اور قاف کے سکون کے ساتھ۔ کی جمع ہے، اسی ۸۰ سال یا اس سے زیادہ مدت، زمانہ، سال۔ قاموس یعنی مدتوں، کئی زمانے، سالہا سال اس میں پڑے رہیں گے، ایک مدت ختم ہونے پر دوسری مدت شروع ہو جائے گی، ایسی مدتیں جن کی کوئی انتہا نہیں ہو گی[20]۔ اس آیت میں جہنمیوں کی حالت ذکر کی جارہی ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ کے لیے ڈال دیئے جائیں گے، کبھی بھی جہنم سے نہیں نکالے جائیں گے، چیخ و پکار کریں گے، روئیں گے۔ بردا ، سے مراد خوش گوار ٹھنڈک ہے۔ جہنم میں ایک طبقہ زمہریر بھی ہے جہاں بے انتہا سردی ہے، ٹھنڈک نہیں کہہ سکتے[21]۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ جہنمیوں کی جہنم میں جانے کی وجوہ ذکر کر رہے ہیں کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور دوسری وجہ جہنم میں جنے کی کہ وہ قیامت کے دن کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے لیے سارا کچھ دنیا کی زندگی تھی۔ آخرت کی کچھ اہمیت نہیں تھی۔ اسی لیے انہوں نے اپنی مرضی سے زندگی بسر کی، اپنی خواہشات کے پیچھے لگے رہے۔ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ :ان کے جہنم میں جانے کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ انہیں اعمال کے حساب کی امیدن ہ تھی، ورنہ وہ اپنے اعمال کو درست کرلیتے اور دوسری یہ کہ انہوں نے ہماری آیات کو بری طرح جھٹلا دیا۔ ،کذاباً، مصدر ہے، کذبوا، کا، اس کے ساتھ، کذبوا، کی تاکید فرمائی ہے۔ ترجمے میں اس تاکید کو، بری طرح، کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے۔[22] إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا : جہنم اور جہنمیوں کے بعد جنت اور جنتیوں کا ذکر ہے۔ یہاں متقین کا ذکر ان لوگوں کے مقابلے میں آیا ہے جنہیں کسی حساب کی توقع نہ تھی اور جنہوں نے اللہ کی آیات کو بالکل جھٹلا دیا تھا، یعنی اعمال کے حساب سے ڈرنے والوں اور کفر و تکذیب سے ڈرنے والوں کے لئے ایک بڑی کامیابی ہے۔ ،مفازاً، مصدر ہو تو معنی ہے، کامیابی، اور ظرف ہو تو معنی ہے، کامیابی کا مقام۔ ،، مفازاً، میں تنوین، ایک بڑی، کا مفہوم ادا کر رہی ہے[23]

حدآئق و اعناباً :، حدآئق، ،حدیقہ، کی جمع ہے، وہ باغ جس کے گرد چار دیواری ہو۔ ،اعناباً، ،عنب، کی جمع ہے۔ انگور کو پھلوں میں ایک خصوصیت حاصل ہے، اس لئے اس کا ذکر خاص طور پر فرمایا۔ اعناباً جمع لانے کا مطلب ہے کہ انگور کی بہت سی اقسام ہوں گی۔ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا :کواعب، ،کاعب، کی جمع ہے، وہ نوجوان لڑکی جس کا سینہ ایسے ابھرا ہوا جیسے کعب یعنی ٹخنہ۔ اتراباً، ،ترب، تاء کے کسرہ کے ساتھ کی جمع ہے، مٹی میں ساتھ کھیلنے والے ہم عمر۔ آپس میں ہم عمر ہوں گی یا اپنے خاوندوں کی ہم عمر ہوں گی۔[24]

مندرجہ بالا مقامات پر مفسر نے لغوی منہج بیان کرتے ہوئے الفاظ کی تشریح کی ہے۔ جنت میں جنتیوں کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کے اوصاف بیان فرما کر ان کی بیویوں کا وصف بیان کیا جارہا ہے۔

پارہ نمبر 29 میں لغوی منہج:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ :، تبرک، ، برکۃ ، سے باب تفاعل ہے۔ اس میں مبالغہ پایا جاتا ہے، اسی مناسبت سے ترجمہ ،بہت برکت والا، کیا گیا ہے۔ ،برکۃ، کے معنی میں زیادہ ہونا، بڑھنا ہونا۔ تبرک، یعنی وہ خیر اور بھلائی میں ساری

کائنات سے بے انتہاء بڑھا ہوا ہے اور بلندی، بڑائی اور احسان، غرض ہر لحاظ سے اس کی ذات بے حد و حساب خوبیوں اور بھلائیوں کی جامع ہے۔[25] الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا :، طباقاً، یعنی تہ بہ تہ اوپر نیچے بنایا، یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔ حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آسمان ایک دوسرے سے جدا ہے[26]۔

سیپارہ نمبر28 میں لغوی منہج

پارہ نمبر 28 میں تفسیر کرتے ہوئے مفسر فرماتے ہیں: اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّاهُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ:، یظھرون ،، ظھر، سے نکلا ہے جس کا معنی، پیٹھ، ہے۔ عرب سواری کو، ظھر، کہتے ہیں۔ یہ استعارہ ہے، جس میں بیوی سے جماع کو گھوڑے وغیرہ کی پشت پر سوار ہونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔، انت علی کظھر امی، تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے کا مطلب یہ ہے کہو جس طرح میرے لیے اپنی ماں پر سوار ہونا اور اس سے جماع حرام ہے، اسی طرح تم بھی میرے لیے میری ماں کی طرح ہو۔ جاہلیت میں لوگ بیوی کو ماں کہہ دیتے تو اسے ماں کی طرح حرام قرار دے لیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس رسم بد کو ختم کر دیا، فرمایا منہ کے ساتھ بیوی کو ماں کہنے سے وہ ماں نہیں بن جاتی، آدمی کی ماں وہی ہے جس نے اسے جنم دیا ہے-[27]

پارہ نمبر27 میں لغوی منہج

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ :، برکنہ، میں، باء، سببیہ ہے۔، رکن، کسی چیز کا سہارا اور آسرا قوت۔[28]
وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ :یعنی قوم عاد میں بھی ہم نے ایک نشانی اور بڑی عبرت چھوڑی۔، العقیم، وہ رحم یا عورت جس سے بچہ پیدا نہ ہو، ایسے مرد کو بھی، عقیم، کہتے ہیں، پھر ہر اس چیز کو بھی جو خیر و برکت سے خالی ہو۔ قوم عاد پر جو آندھی مسلط کی گئی وہ بھی ہر خیر و برکت سے خالی اور سراسر بربادی اور تباہی تھی، اس لئے اسے، العقیم، فرمایا۔[29] 26 سپارے کی تفسیر کرتے ہوئے لغوی منہج بیان فرماتے ہیں:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ :، بدع یبدع بدعا ، ف ، الشیء، کسی چیز کو ایجاد کرنا، کسی پہلی مثال کے بغیر بنانا سورۃ بقرہ ۱۱۷ اور سورۃ انعام ۱۰۱ میں، بدیع السموت والارض، اسی سے ہے۔ بدع یبدع بدعاً و بداعۃ وبدوعۃ ، ک نیا ہونا، جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو۔ بدعا، صفت مشبہ فعل لازم سے بمعنی اسم فاعل ہے۔ جیسے، خف، بمعنی خفیف ہے، یا فعل متعدی سے بمعنی اسم مفعول ہے، جیسے، حب، بمعنی محبوب ہے۔، بدعا من الرسل، نیا یا انوکھا رسول۔ کفار ایمان نہ لانے کے لئے جو بہانے اور اعتراض کرتے تھے ان میں سے چند کا ذکر اور ان کا جواب پچھلی وہ آیات میں گزرا۔ اس آیت میں ان کے بہت سے اعتراضات کا صرف جواب ذکر کیا گیا ہے، اعتراضات کا ذکر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ وہ خود بخود جواب سے سمجھ میں آرہے ہیں[30]

25 پارے میں لغوی منہج

وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ :، حاص یحیص حیضاً ،ض بھاگنا۔ محیص، مصدر میمی ہے یا ظرف۔ مصدر کا معنی ہو گا بھاگنے کی کوئی صورت اور ظرف کا معنی ہے بھاگنے کی کوئی جگہ۔ ظن، کا لفظ گمان کے علاوہ یقین کے معنی میں بھی آتا

ہے۔ دیکھیے بقرہ:۴۶ یہاں بھی، ظنوا، یقین کے معنی میں ہے، کیونکہ قیامت کے دن تمام حقیقتیں کھل کر سامنے آجائیں گی اور کسی کو کوئی شک باقی نہیں رہے گا، حتیٰ کہ کفار خود کو یقین ہو جانے کا اقرار کریں گے، فرمایا ربنا ابصرنا و سمعنا فارجعنا نعمل صالحاً انا موقنون السجدۃ:۱۲، اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور ہم نے سن لیا، پس ہمیں واپس بھیج کہ ہم نیک عمل کریں، بیشک ہم یقین کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کفار کے حاجت رواؤں اور مشکل کشاؤں میں سے کوئی انہیں نہیں آئے گا اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بھاگ نکلنے کی کوئی جگہ ہے نہ اس کی کوئی صورت ہے۔[31]

24 سپارے میں لغوی منہج

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ - : ، خَوَّلَ يُخَوِّلُ ،کسی معاوضے کے بغیر کوئی عطیہ دینا۔ اس آیت میں مشرک انسان کی ایک اور قبیح صفت بیان کی گئی ہے کہ جب اسے کوئی بڑی تکلیف پہنچتی ہے، مثلاً فقر یا بیماری یا سیلاب یا طوفان وغیرہ، تو اپنے جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر ایک اللہ کو پکارتا ہے،، ثُمَّ، تراخی کے لیے ہے، جس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ نعمت کچھ مدت کے بعد ملتی ہے پھر ایک مدت تک اس تکلیف میں رہنے اور بار بار لیٹے، بیٹھے اور کھڑے ہر حال میں اس سے فریاد کرنے اور اسے پکارنے کے بعد جب وہ اسے اس تکلیف سے نجات کی نعمت، یا کوئی بھی نعمت محض اپنے خاص فضل سے عطا کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو سرے سے بھول جاتا ہے اور کہتا ہے، یہ تو مجھے صرف ایک علم کی بنا پر دی گئی ہے، مثلاً فقر کے بعد مال ملتا ہے تو کہتا ہے، یہ میرے دولت کمانے کے ہنر کی وجہ سے ملا ہے، اگر بیماری کے بعد شفا مل جائے تو کہتا ہے، یہ میری یا فلاں صاحب کی طب میں مہارت کی وجہ سے ملی ہے[32]

سپارہ نمبر 23 کا لغوی منہج

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ :یعنی فرشتے نے ایک چیخ ماری جس سے ان سب کی زندگی کا شعلہ بجھ گیا۔ ان کے یک لخت ہلاک ہونے کو آگ کے بجھنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔[33]

پارہ نمبر 22 کا لغوی منہج

سپارہ نمبر 22 سورہ احزاب میں فرماتے ہیں: وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ : ، قَرْنَ، باب ، قَرَّ يَقَرُّ قَرَارًا ، سمع کسی جگہ ٹھہرنا سے جمع مؤنث امر حاضر کا صیغہ ہے، جو اصل میں ،اِقْرَرْنَ، تھا۔ پہلی راء کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا اور اس کا فتحہ قاف کو دے دیا، ہمزہ وصلی کی ضرورت نہ رہی، اس لیے اسے حذف کر دیا گیا، جیسا کہ ،ظَلِلْتَ، کو پہلا لام حذف کر کے ، ظَلْتَ، کر دیا جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے اسے ،وَقَرَ يَقِرُ وَقَارًا ،ض سے مشتق قرار دیا ہے، مگر یہ صرف اس قراءت کی صورت میں ہو سکتا ہے جس میں ،قَرْنَ، کو قاف کے کسرہ کے ساتھ ،قِرْنَ، پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں یہ ،وَعَدَ يَعِدُ ، میں سے ، عِدْنَ، کے وزن پر ہو گا۔ قاف کے فتحہ کی صورت میں اسے ،وَقَارٌ، سے مشتق قرار دینا مشکل ہے۔ اس آیت میں ازواج مطہرات کو گھروں کے اندر ٹھہرے رہنے کا حکم دیا، کیونکہ اس میں ان کی زیادہ حفاظت اور سلامتی پائی جاتی ہے۔ یہی حکم دوسری عورتوں کے لیے بھی ہے[34]

پارہ نمبر21 کا لغوی منہج

سپارہ نمبر 21 کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ،جُحُوْدٌ، کا معنی کسی بات کا علم ہونے کے باوجود اس کا انکار کر دینا ہے۔ جبکہ ،کُفْرٌ، کا لفظ ایمان کے مقابلے میں آتا ہے، اس کا معنی ناشکری بھی ہے، انکار بھی اور چھپانا بھی۔ آیَاتِنَا، کا لفظی معنی نشانیاں ہیں، مراد قرآن مجید ہے، کیونکہ اس کی تمام آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانیاں اور معجزہ ہیں، جن کے مقابلے کی آیات پوری کائنات پیش نہیں کر سکتی اور اس قدر واضح اور روشن ہیں کہ ان کا انکار ان لوگوں کے سوا کوئی نہیں کرے گا جو حق کا علم رکھتے ہوئے اسے چھپاتے اور اس کا انکار کرتے ہیں۔[35] اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ میں حدائق کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔:،حَدَائِقَ ، ،حَدِيْقَةٌ، کی جمع ہے، جو اصل میں وہ باغ ہے جس کے گرد دیوار ہو، پھر ہر باغ کو ،حَدِيْقَةٌ، کہا جانے لگا۔[36] قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔:،الْغَيْبَ، ، غَابَ يَغِيْبُ، کا مصدر ہے، اکثر غائب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، مراد وہ چیزیں ہیں جو نہ حواس خمسہ سے معلوم ہو سکیں اور نہ عقل ان کا ادراک کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی معبود کی عبادت، اس سے فریاد کرنے اور اسے مشکل کشا یا حاجت روا سمجھنے کی ابتدا اس بات سے ہوتی ہے کہ اسے عالم الغیب سمجھ لیا جاتا ہے۔ ورنہ اگر عقیدہ یہ ہو کہ میرے تمام احوال سے میرے مالک کے سوا کوئی واقف ہی نہیں، تو وہ کسی غیر کو کیوں پکارے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ کوئی آسمان میں ہے یا زمین میں، اللہ کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔ سورہ نمل 65[37] بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ :،ادّٰرَكَ ،اصل میں ،تَدَارَکَ، ہے، جو باب تفاعل سے ماضی کا صیغہ ہے۔ اس کا مادہ، درک، ہے، اسی سے ،ادّٰرَکَ، بنا ہے، کسی چیز کو پا لینا۔ ،تَدَارَکَ، کا معنی ہے کسی چیز کو پکڑنے کے لیے لگاتار دوڑنا، بھاگ کر پیچھے سے پکڑنے کی کوشش کرنا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ آخرت کو جاننے کے لیے ان کا علم لگاتار دوڑتا ہی رہا، مگر اسے حاصل نہ کر سکا، آخر تھک ہار کر رہ گیا۔، غَابَ، گم ہو گیا، ایت 66[38] قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ ۔:،ردیف، اس شخص کو کہتے ہیں جو سواری پر کسی شخص کے پیچھے بیٹھا ہو۔ یعنی جلدی نہ مچاؤ، جس عذاب کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو، وہ ہر حال میں آکر رہے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ تمہارے قریب آپہنچا ہو۔[39] وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۔:اس آیت کی تفسیر کے لیے دیکھیے سورۃ انعام ۵۹، غَآئِبَةٍ ، میں تاء مبالغہ کے لیے ہے، جیسے ،كَافِيَةٌ، اور ، عَلاَّمَةٌ، میں ہے، یعنی انتہائی مخفی چیز بھی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے، لہٰذا جس عذاب کی یہ جلدی مچا رہے ہیں اس کا وقت بھی اس میں لکھا ہے، وہ اپنے وقت پر آکر رہے گا۔ اس کے دیر سے آنے کا یہ مطلب لینا کہ نہیں آئے گا، سراسر حماقت ہے۔[40] وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۔:،فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ، ،وَزَعَ يَزَعُ ،ف سے مضارع مجہول ہو تو معنی ہے، روکے جائیں گے ،اور ،أَوْزَعَ يُوْزِعُ ،افعال سے ہو تو معنی ہے، الگ الگ تقسیم کیے جائیں گے۔ ،یعنی ہر امت میں سے اللہ کی آیات جھٹلانے والے لوگوں کے گروہ کو جمع کیا جائے گا، پھر جو لوگ آگے ہوں گے انھیں روک لیا جائے، تاکہ پیچھے والے ان سے آکر مل جائیں۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ ان کی الگ الگ قسموں کی جماعت بندی کی جائے گی، مثلاً چوروں، ڈاکوؤں، قاتلوں اور زانیوں وغیرہ میں سے ہر ایک کا الگ جتھا بنایا جائے گا۔ آیت نمبر 83 سورہ نمل۔[41] نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ :،نَّبَا ،اس خبر کو کہتے ہیں جو اہم اور شان

والی ہو۔ ،مِن، بعض کے معنی میں ہے،اس لیے ترجمہ ،کچھ خبر ، کیا گیا ہے۔ شوق دلانے کے لیے قصے کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا، ہم تجھ پر موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے اہم واقعے کا کچھ حصہ حق کے ساتھ ،یعنی ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔[42]
اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ :،الْاَرْضِ ،سے مراد سرزمین مصر ہے، جس کا قرینہ فرعون کا ذکر ہے، کیونکہ اس کی حکومت صرف مصر میں تھی۔ جو لوگ اسے پوری زمین کا بادشاہ سمجھتے ہیں ان کی بات درست نہیں، کیونکہ ہجرت کے بعد مصر کے قریب ہی مدین پہنچنے پر موسیٰ علیہ السلام اس کی گرفت سے آزاد تھے۔ ،عَلَا، کا لفظی معنی ہے، اس نے سر اٹھایا، اونچا بن گیا، یعنی اپنے اصل مقام بندگی سے اونچا ہو کر خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا اور اپنی حقیقت کو بھول گیا۔ ،فِي الْاَرْضِ، کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بلندی اور کبریائی تو اس ذات کا لباس ہے جو عرش پر بلند ہے، زمین پر رہنے والے کا حق تو عرش والے کے سامنے پستی اور عاجزی ہے، نہ کہ سرکشی کرتے ہوئے اللہ کے بندوں کو ذلیل و خوار کرنا اور ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنا۔ سورہ القصص 4[43] وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى :،وحی، کا لفظی معنی خفیہ اور تیز اشارہ ہے۔ وحی کرنے کا مطلب کوئی بات خفیہ طریقے سے دل میں ڈالنا ہے۔[44] فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ :،اِلْتَقَطَ ،کا معنی ہے کسی کی گری ہوئی چیز اٹھالینا۔ اُمّ موسیٰ کا گھر دریائے نیل کے کنارے پر فرعون کے محل کے بالائی جانب تھا۔ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک صندوق میں بند کر کے اسے پانی سے محفوظ بنا کر دریا میں ڈال دیا، جو بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس سے گزرا، اس کے لوگوں نے اسے دیکھا تو دریا سے نکال کر فرعون کے پاس لے آئے۔[45]
وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ :،الْمَرَاضِعَ ، ،مُرْضِعٌ، کی جمع بھی ہو سکتی ہے، یعنی دودھ پلانے والیاں اور ،مَرْضَعٌ، کی بھی جو ظرف مکان ہو تو مراد دودھ پلانے کی جگہ ہو گی، یعنی دودھ کی چھاتیاں اور اگر مصدر میمی ہو تو مراد تمام دودھ ہوں گے، یعنی ہم نے اپنی تقدیر میں طے شدہ حکم کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام پر تمام دودھ پہلے ہی حرام کر دیے تھے، یعنی پینے سے منع کر دیا تھا۔ فرعون کی بیوی کو موسیٰ علیہ السلام سے بے پناہ محبت ہو گئی تھی اور وہ ہر قیمت پر ان کے لیے دودھ کا انتظام کرنا چاہتی تھی، مگر جو دایہ بھی لائی گئی، موسیٰ نے اس کا دودھ پینے سے انکار کر دیا۔ فرعون کی بیوی سخت فکر مند تھی کہ دودھ نہ پینے کی وجہ سے اتنا پیارا بچہ کہیں فوت نہ ہو جائے۔[46] فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ :یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے جو وعدہ کیا تھا کہ اسے تمہارے پاس واپس لائیں گے، اتنی دیر ہی میں پورا کر دیا جتنی دیر کوئی بچہ ماں کے دودھ کے بغیر گزار سکتا ہے۔[47]
كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا :،قَرَّ يَقِرُّ ض،قُرَّةً وَقُرُوْرًا ، آنکھ کا ٹھنڈا ہونا۔ تاکہ اس کی آنکھ جو بیٹے کی جدائی میں سکون سے ناآشنا تھی، آنسو بہا بہا کر اور بیدار رہ کر سرخ اور گرم ہو چکی تھی، بیٹے کے واپس ملنے، اسے دودھ پلانے اور اپنے پاس رکھنے سے ٹھنڈی اور پر سکون ہو جائے اور آرام کی نیند سو جائے اور غم زدہ نہ رہے۔[48] مندرجہ بالا چند مثالوں سے واضح ہے کہ تفسیر القرآن الکریم میں مفسر اس تفسیر کے حافظ عبد السلام بن محمد بھٹوی نے کتنا خیال رکھا ہے فہم قرآن کے لغوی منہج کا یہ چند مثالیں ہیں پورا قرآن مجید ان مثالوں سے بھرا پڑا ہے تقریبا ہر سپارے میں سینکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں جہاں مفسر نے فہم قرآن کے لغوی منہج کا خیال رکھا ہے۔

خلاصہ بحث

ویسے تو قرآن مجید کے مختلف زبانوں میں ترجمے لکھے جاچکے ہیں لکھے جارہے ہیں لیکن اردوزبان کو یہ سعادت حاصل ہے کہ سب سے زیادہ تراجم اور تفاسیر اردوزبان میں لکھی گئی اس لیے ہمارے پاک وہند میں بہت سے تراجم لکھے گئے گئے مگر ان تمام تراجم کے باوجود ایک ایسے کام کی گنجائش باقی تھی جو جو جس میں کوئی لفظ بھی زائد نہ کیا جائے بعض تراجم میں تراجم بامحاورہ اور چند لفظی ہیں ان میں کچھ ایک الفاظ رہ جاتے ہیں جن کا ترجمہ نہیں کیا جاتا تو ایسے ترجمہ ضرورت کو پورا کرنے کے لئے حافظ عبدالسلام بن محمد حفظہ اللہ نے ترجمہ کیا پھر اس کی تفصیل لکھیں ترجمے کی کمی پوری کرنے کے لیے جس میں کسی لفظ کا ترجمہ نہ چھوڑا گیا ہوں اس سے زائد ترجمہ میں داخل نہ کیا گیا ہو تو اس میں حافظ عبدالسلام بن محمد اہتمام کیا ہے۔

References

1 Hafiz Abdusalam Ibn Muhammad Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem (Dar al-Undalas), 15.
2 Al-Maidah 5:50.
3 Al-Araf 7: 157.
4Al-Araf 7: 163.
5 Maryam 19:67.
6Al-Maidah5:45.
7Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 16.
8Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 16.
9Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 17.
10Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 17.
11Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 17.
12Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:889.
13Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:890.
14Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:890.
15Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:891.
16Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:891.
17Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:891.
18Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:893.
19Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:892.
20Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:892.
21Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:892.
22Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:892.
23Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:891.
24Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:894.
25Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:758.
26Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:761.
27Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:610.

[28]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:452.
[29]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:453.
[30]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:268.
[31]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:103.
[32]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:883.
[33]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 4:746.
[34]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 3:603.
[35]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 3:453.
[36]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 3:316.
[37]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 3:323.
[38]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 3:328.
[39]ای Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 3:331.
[40]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 3:332.
[41]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 3:338.
[42]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 3:344.
[43]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 3:345.
[44]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 3:348.
[45]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 3:349.
[46]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 3:352.
[47]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 3:352.
[48]Bhatvi, Tafsir al-Quran al-Kareem, 3:352